عبدالقدیر

اسکالر،پی ایچ ڈی اردو،جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی

استاد ،شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

منتخب اردو ناولوں کی ڈرامائی تشکیل

Abdul Qadeer

Ph.D Scholar, Department of Urdu, GC Women University, Faisalabad.

Dr. Tariq Mehmood Hashmi

Associate Professor, Department of Urdu, GC University, Faisalabad.

Dramatic formation of selected Urdu novels

Adaptation of Novels on TV screens is observed in all over the world. Same is with Urdu Novels. On Pakistani TV Channels adaptation of Urdu Novels is being practiced from beginning of TV industry in Pakistan. In this regard PTV and other Private TV channels are making contributions for promotion of Urdu Novel. Here is discussion on adaptation of Urdu novels “Mirat-Ul-Uroos” by Deputy Nazeer Ahmad, “Khuda ki Basti” and “Jangloos” by Shoukat Siddiqi, “Nashaib” (Novelet) by Abdullah Hussain, “Shehzori” (Novelet) by Mirza Azeem Baig Chugtai and “Pagli” by Shoukat Thanvi.

Key words: *Adaptation, Novels, Observed, Practiced, Contributions, Discussion.*

فی زمانہ ناول سے مراد کہانی سے جڑے واقعات کے تناظر میں زندگی اور اس کی ماہیت کے بارے میں نیا انکشاف ہے اوراس کے لیے مصنف کو حقائق کی ایک وسیع دنیا کی سیاحت کرنا پڑتی ہے اور ناول کے لغوی مفہوم یعنی نئ بات کے حقیقی مفہوم کو اجاگر کرنا ہوتا ہے ۔یہ الگ بات کہ حیاتِ موجود سے اس کی جڑت اسے زمینی حقائق کے قریب ترین رکھتی ہے۔ادبی تاریخ میں اپنی بقا کے لیے صرف ایسی کہانی کو جگہ ملتی ہے جو زندگی کے حقائق کے قریب ترین ہو اور زندگی کی متعدد جہتوں کے احاطے کی استعداد رکھتی ہو۔ناول کی بنیاد محض تخیلاتی دنیا پر نہیں ہوتی بلکہ اس کا تعلق حیات موجود کے

حقائق سے ہوتا ہے۔ تخیلی تخلیق بھی کئی سوالات کو جنم دیتی ہے۔ اس تخیل کو حقیقت کے پیرائے میں لا کر قاری کے سامنے پیش کرنا ہی ناول نگار کا کمال ہوا کرتا ہے اس حوالے سے میلان کنڈیرا یوں رقمطراز ہیں۔

> ''تمام ناول ہر دور کے، ذات کے چیستان سے سروکار رکھتے ہیں۔ جیسے ہی آپ کوئی تخیلی وجود تخلیق کرتے ہیں۔ ایک کردار، تولا محالہ آپ کا سامنا اس سوال سے ہوتا ہے؛ ذات کیا ہے؟ ذات کو کیسے گرفت میں لایا جا سکتا ہے؟ یہ ان بنیادی سوالوں میں سے ہے۔ جس پر ناول کا، بحیثیت ناول، دارومدار ہوتا ہے۔''(۱)

ناول کی تاریخ اور آغاز سے متعلق کچھ حتمی فیصلہ تو شاید ممکن نہیں البتہ اس کا آغاز اس دور میں ہوا جب لوگوں نے دوسروں کی زندگیوں کو جاننا چاہا۔ خود نوشتیں، سوانح عمری، ڈائریاں اور یادداشتیں اسی سفر کا حصہ ہیں۔ سترہویں صدی عیسوی کے آخر پر ناول نگاری کے فن کو با قاعدہ مانا جانے لگا یہ وہ دور تھا جب آمدن کے لحاظ سے معاشرے کے درمیانے طبقے کے افراد میں کتاب کی طرف رغبت اور قوت خرید پیدا ہو چکی تھی، لوگوں کے پاس اتنا وقت تھا کہ ناول جیسی لمبی کہانی کو پڑھ سکیں۔ اس حوالے سے فرانسیسی اور روسی ناول نگاروں نے اہم کردار ادا کیا، بالخصوص روسی ناول نگاروں نے جن سماجی موضوعات اور کہانیوں کو اپنے ناولوں کا حصہ بنایا ان پر کشش عوامی موضوعات کی بدولت روسی ناولوں کی طلب اور کشش مزید بڑھنے لگی۔ پہلے روسی ناول نگار نیکولائی گوگول کا پہلا ناول "Dead Souls" ۱۸۴۲ میں منظر عام پر آیا جو روس کے اوسط درجے کے سماجی کرداروں اور رویوں سے متعلق ہے۔ اس ناول کے کردار سماجی طبقاتی تقسیم کے باعث محرومیوں کا شکار ہیں جو زندگی کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ کہانی دراصل پہلے انگریزی ناول ''پامیلا'' کے کرداروں کی ہی یاد تازہ کر رہی ہے۔ ۱۷۴۱ میں سموئیل رچرڈسن کا ناول ''پامیلا'' انگریزی کا پہلا با قاعدہ ناول تصور کیا جاتا ہے۔ ناول نگاری کا یہ سفر آج بھی جاری ہے، لیکن ساری دنیا میں اس ادبی صنف کو انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ہی وہ پذیرائی ملی ہے جس قدر و قیمت کی یہ صنف حقدار ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین کے نزدیک:

> ''انیسوی صدی کی آخری دہائیوں میں سنجیدہ نقادوں اور آزاد خیال دانشوروں نے صنف ناول کی وکالت کچھ اس طرح کی کہ اس کی عظمت کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ ان مشاہیر کا خیال تھا کہ فن ناول میں شاعری افسانہ اور ڈرامہ کے عناصر سے وہ جامعیت پیدا ہو گئی ہے کہ اس میں فرد اور سماج کے داخلی و خارجی کوائف کی ترجمانی دوسرے اصناف کے مقابلہ میں زیادہ آسانی سے ممکن ہے۔''(۲)

اردو ادب میں ناول نگاری کا رجحان نو آبادیاتی دور میں سامنے آتا ہے اور ۱۸۶۹ میں لکھے جانے والے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' کو اردو ادب کا پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں خواتین کی تعلیم و تربیت کے

موضوع نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ان کے ہم عصر رتن ناتھ سرشار اردو کے اولین ناول نگاروں میں سے ہیں جن کے ناولوں میں معاشرتی تہذیب و تمدن اور رسم و رواج سے متعلق کردار موجود ہیں۔ تاریخی موضوعات بھی سرشار کے ناولوں کا حصہ رہے ہیں بیسویں صدی کے آغاز سے ہی اردو ناول کو نہ صرف باقاعدہ ادبی صنف مانا جانے لگا بلکہ سنجیدہ ادبا نے اس جانب دھیان کیا اور اعلیٰ سطح کے ناول تخلیق ہونے لگے۔ معروف ناول نگاورں میں عبدالحلیم شرر، راشد الخیری، سجاد حسین، پریم چند، سجاد ظہیر، کرشن چندر، قراۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، شوکت تھانوی، شوکت صدیقی اور مرزا عظیم بیگ چغتائی شامل ہیں۔

ادب کا بنیادی مقصد کسی ادیب کی تحریر کو سامعین، ناظرین، حاضرین یا قارئین تک پہنچا کر معاشرتی رجحانات اور امکانات کا تعین کرنا ہے۔ اس ترسیل کے لیے مطلوبہ واسطے ذرائع ابلاغ کہلاتے ہیں۔ ابلاغ اور ترسیل کے ان قدیم ذرائع میں پتھروں، لکڑی کے تختوں پر کندہ کاری، درختوں کے پتوں اور کپڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کی گئی علامات، الفاظ یا جملے ہیں۔ جبکہ جدید ذرائع میں کتاب، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دوسرے جدید الیکٹرانک آلات ہیں۔ ادبی فن پاروں کی ترسیل اور ابلاغ کے لیے مذکورہ تمام ذرائع میسر اور مفید رہے ہیں۔ تھیٹر بھی انہیں ذرائع میں سے ایک ہے۔ جہاں کہانیوں کو عملی صورت دے کر پیش کیا جاتا رہا جس سے ناظرین اور حاضرین تک کہانی کی ترسیل کا رجحان فروغ پانے لگا۔ ترسیل کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد شاہد حسین یوں رقم طراز ہیں۔

> "اظہار ذات انسانی جبلت ہے۔ ہر شخص کے اپنے محسوسات، خیالات اور تجربات ہوتے ہیں ان سے وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اسے دوسروں کو بتا کر فطری طور پر سکون محسوس کرتا ہے لہذا انسان جن مشاہدات، خیالات، تجربات اور جذباتی کیفیات سے گزرتا ہے انہیں اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا اگر محدود رکھے تو اس کے اندر ہیجانی کیفیت کے تحت ابلاغ کی مسلسل خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اظہار ذات کی یہی خواہش ترسیل کی بنیاد ہے۔"(۳)

ادبی فن پاروں کی ترسیل کے عملی اظہار کے ضمن میں کئی واسطے اور ذرائع استعمال کیے جاتے رہے ہیں جیسے شعری فن پاروں کی ترسیل یا ترویج کے لیے مشاعروں کا انعقاد جب کہ کہانیوں کی پیش کش کے لیے تھیٹر کا سہارا لیا جانے لگا۔ برصغیر میں یہ روایت قدیم عرصے سے چلی آرہی ہے ہندو مذہب کی ایک قدیم داستان "مہابھارت" کو اسی تھیٹر کی مدد سے عام کیا گیا۔ اس داستان کے عملی اظہار کے بغیر اس کی ترسیل اس قدر آسان نہ تھی، ڈرامہ اور فلم اسی تھیٹر کا تسلسل اور جدید شکل ہیں۔ داستانوں اور کہانیوں کو ڈراموں اور فلموں کے ذریعے پیش کرنے کا رجحان ہر اس ترقی یافتہ معاشرے میں نظر آتا ہے جہاں دقیانوسی رویہ رکھنے کی بجائے جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے ادب کی ترسیل کو ممکن بنایا جاتا ہے۔ ویسے تو ادب کی کوئی زبان نہیں ہوتی بلکہ زبان بھی اس ادب کی ترسیل کا ذریعہ ہوتی ہے البتہ ہر زبان میں لکھے جانے والے

ادب کی ڈرامائی یا فلمائی تشکیل سے اس ادب میں نہ صرف وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ عوام الناس اور ادبی فن پارے میں فاصلے بھی کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دنیا کی اکثر و بیشتر ترقی یافتہ زبانوں اور ان میں لکھے جانے والے ادب، بالخصوص ناولوں کی فلمائی اور ڈرامائی تشکیل پیش کرنے کا رجحان نمایاں رہا ہے۔ متعدد انگریزی ناولوں سے ماخوذ فلمیں اور ڈرامے پیش کیے جا چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ میں Thomas Hardy کے ناول "Tess of the d' Urbervilles" کے ناول پر مبنی فلم "Tess of the d' Urbervilles" پیش کی جا چکی ہے۔ فلم "Sense and Sensibility" ناول نگار Jane Austen کے ناول "Sense and Sensibility" پر مبنی ہے۔ ۱۹۲۲ میں Agatha Christie کے ناول "The secret Adversary" کی ڈرامائی تشکیل "Partners in Crime" کے نام سے ٹی وی پر پیش کی گئی جو مل کر جرائم کرنے والے شادی شدہ جوڑے کی کہانی ہے۔ "Jon Austen" کے ۱۸۱۳ میں لکھے گئے ناول "Pride and Prejudice" سے ماخوذ ڈرامہ "Pride and Prejudice" ٹی وی پر ۱۹۹۵ میں پیش کیا گیا۔ Lynda La Plante کے ناول "Above Suspicion" کی ڈرامائی تشکیل اسی نام سے ٹی وی پر پیش کی گئی۔ جس میں سفاک قاتل کے ظلم کا سامنا کرتی عورت مرکزی کردار ہے جو مردوں کے معاشرے میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ Hilary Mantel کے تاریخی ناول "Wolf Hall and Bring up the Bodies" کی ڈرامائی تشکیل "Wolf Hall" کے نام سے کی گئی۔ دراصل افسانوی ادب ڈرامے کی تیاری میں اس حوالے سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ ڈرامے کو بنی بنائی کہانی مہیا کر دیتا ہے۔ جس سے ڈرامے کی تیاری کے مراحل آسان ہو جاتے ہیں۔ بصری اظہار کے تقاضوں کے مطابق فکشن کی ڈرامائی تشکیل کے دوران فکشن کے متن میں کہیں کہیں ترمیم ناگزیر ہوتی ہے۔ ٹی وی کے لیے ڈرامہ لکھنے کے حوالے سے شعیب خالق کے نزدیک:

> "افسانہ پہلے لانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کسی بھی کہانی یا افسانے کی ڈرامائی تشکیل کے مرحلے سے آپ ہو کر گزریں اور کوئی بھی معروف و غیر معروف افسانہ لے کر آپ اسے ٹی وی ڈرامے کے قالب میں ڈھالنے کی مشق نبھا سکیں۔(۴)

اردو ناولوں کی ڈرامائی تشکیل ٹی وی پر پیش کرنے کی روایت بہت مضبوط ہے۔ عوامی دلچسپیوں کے حامل اردو ناولوں پر مبنی فلمیں اور ڈرامے بنائے گئے ہیں۔ جیسے تقسیم ہند اور ہجرت کے تناظر میں لکھے جانے والے امرتا پریتم کے ناول "پنجر" سے ماخوذ فلم اور ڈرامہ دونوں تیار کر کے پیش کیے جا چکے ہیں۔ امرتا پریتم کے ناول پنجر پر مبنی فلم "پنجر" ۲۰۰۳ میں بھارت میں جب کہ امرتا پریتم کے ناول کی ڈرامائی تشکیل "گھگھی" کے نام سے ۲۰۱۸ میں TV One پاکستان سے پیش کی گئی۔ اسی طرح ۱۹۷۱ میں رابندر ناتھ ٹیگور کے ناول "سیماپتی" پر مبنی فلم "ابھار" پیش کی گئی۔ ۱۹۸۶ میں راجندر سنگھ بیدی کے ناول "ایک چادر میلی سی" سے ماخوذ فلم "ایک چادر میلی سی" بھارت میں جب کہ "مٹی بھر چاول" پاکستان میں بن چکی ہے۔ نسیم حجازی کے ناول آخری چٹان سے ماخوذ ڈرامہ "آخری چٹان" اور ناول "شاہین" سے ماخوذ ڈرامہ "شاہین" ٹی وی پر نشر کیا

جا چکا ہے۔ بشریٰ رحمن کے ناول "لازوال" اور "پارسا" کی ڈرامائی تشکیل انہیں ناموں سے پیش کی گئی ہے۔ رضیہ بٹ کے ناولوں "آگ" ، "صاعقہ" "آبرو" اور "نورینہ" کی ڈرامائی تشکیل پیش کی گئی۔ مذکورہ ناولوں کے علاوہ متعدد اردو ناول ایسے ہیں جن کی ڈرامائی تشکیل پاکستانی ٹی وی چینلز پر پیش کی جاچکی ہے۔ ٹی وی چینلز کی مقبولیت اور عوامی دلچسپی اور کشش سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اردو ناول کی ڈرامائی تشکیل یا ان سے ماخوذ ڈراموں کی پیش کش سے عوام الناس کو اردو زبان و ادب سے واقفیت اور رغبت کا موقع ملتا ہے، اردو زبان کے رواج پانے کے امکانات اور زیادہ روشن ہو جاتے ہیں ڈاکٹر حسام الدین فاروقی کے نزدیک:

> "ڈراما تو اس معاملے میں ہے ہی ایک مشکل صنف اپنی بات ، اپنے خیال اپنے نظریے کو کرداروں کی زبانی ہی کہلوانا ہوتا ہے۔ ایسے میں زبان کتنی اہم ہو جاتی ہے اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ کہانی ایک ایسی صنف ہے کہ جسے ریڈیو نے ادبی شکل میں اسی طرح اور اسی شکل میں اپنا لیا ہے۔ ٹیلی ویژن کہانیوں کو تصویری کرداروں کے ذریعے ناظرین تک لانے کی کوشش کی ہے۔ دونوں ہی جگہ زبان کی اہمیت مسلم ہے" (۵)

اردو زبان وادب اور ٹی وی چینلز کے مابین فاصلے کم ہو رہے ہیں۔ ناظرین ایسی نشریات کی طرف واپس آ رہے ہیں جو تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ ادبیت سے بھرپور ہوں۔ ذیل کی سطور میں منتخب ناول نگاروں کے منتخب ناولوں کی ڈرامائی تشکیل اور ٹی وی چینلز پر ان کی پیش کش کا جائزہ لیا گیا ہے۔

شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" کی ڈرامائی تشکیل ۱۹۶۹ میں PTV سے نشر کی گئی۔ شوکت صدیقی کا شمار پاکستان کے ان نامور ناول نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے سنجیدہ سماجی موضوعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ ادب کے علاوہ صحافت کے شعبے میں بھی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ کراچی کے مقامی اور قومی اخبارات سے براہ راست منسلک رہے۔ شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی "کی ڈرامائی تشکیل PTV کی ابتدائی نشریات میں سے ہے۔ اس ناول کی ڈرامائی تشکیل خود شوکت صدیقی نے کی جب کہ بختیار احمد اور قاسم جلالی اس ڈرامے کے ہدایت کار ہیں۔ اس ناول کی ڈرامائی تشکیل کے لیے فیض احمد فیض، جمیل الدین عالی اور شوکت صدیقی پر مشتمل تین رکنی کمیٹی بنائی گئی جس کا مقصد ناول کی ڈرامائی تشکیل سے متعلقہ امور کا جائزہ لینا تھا۔ ۱۳ اقساط پر مشتمل اس ڈرامہ سیریل کو تین مختلف ادوار میں PTV سے پیش کیا گیا۔ PTV سے شوکت صدیقی کے ناول کی ڈرامائی تشکیل کی پیش کش کے حوالے سے احمد سہیل یوں رقمطراز ہیں:

> "پاکستان میں ٹیلیویژن کے آنے سے پہلے ادب لکھنے والے یہ گلہ کر رہے تھے کہ ان کی تخلیقات کا ابلاغ نہیں ہوا۔ ٹیلیویژن کے آتے ہی بہتر افسانوں اور ناولوں کو ٹی وی اسکرین پر پیش کیا جو بہت مقبول ہوئے۔ کراچی ٹیلی ویژن سنٹر سے شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" کو مختلف

وقفے سے دوبار پیش کیا گیا۔ ان اقساط کی ڈرامائی تشکیل خود شوکت صدیقی نے کی تھی۔ اس کے
کردار ڈاکٹر موٹو، راجہ، شاہ جی بہت مشہور ہوئے"(۶)

شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" کا موضوع قیام پاکستان کے فوری بعد کے حالات کے گرد گھومتا ہے لیکن تاریخی واقعات کی بجائے ایسے معاشرتی رویوں کا تذکرہ ہے جو اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کے لیے ساری اخلاقی حدیں پار کرنے سے کسی طور اجتناب نہیں کرتے۔ یہ رویے معاشرے میں ان افراد کے ہیں جو عمدہ طرز زندگی گزارنے کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آ کر غیر معیاری اور کس مپرسی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اجڑے خاندان ایک دوسرے کا سہارا بننے کی بجائے ایک دوسرے کو نوچ کھانے کے درپے ہیں۔ شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" سے چند سطریں ملاحظہ کیجئے جن میں ایک ایسے شخص کے نفسیاتی اور جنسی رویے کا ذکر ہے جو اپنے سے عمر میں کافی چھوٹی لڑکی کے متعلق کیسے غلیظ خیالات رکھتا ہے حالانکہ اس کے ذمے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کے معاملات ہیں۔

"چلو اٹھو، کھیل ختم پیسہ ہضم"
وہ مکاری سے رونی شکل بنا کر کہتا ابھی سے
وہ نہیں کر کہتی "چل بھاگ" مجھے ابھی کالج کا بہت کام کرنا ہے
راجہ فوراً کہتا "چھوٹی بی بی اولٹین نہیں پیو گی؟"
ناہیدرات اولٹین شوق سے پیتی تھی۔ وہ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے
کہتی "اچھا جا ایک کپ بنالا۔ مجھے آج دیر تک کام کرنا ہے۔۔۔۔۔
"یوں وہ عمر میں اس سے کئی سال چھوٹی تھی۔ مگر وہ اپنے ٹیپکل انداز میں کبھی کبھی سوچا کرتا۔
یار بڑی غضب کی لونڈیا ہے۔جی چاہتا ہے کہ بس سالی کو بیٹھے دیکھا کروں۔ یوں دیکھتی ہے کہ قتل
کر کے رکھ دیتی ہے۔"(۷)

شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آنے والے خاندانوں کے حالات سے متعلقہ ہے۔ اس ناول کی ڈرامائی تشکیل میں فیض احمد فیض، جمیل الدین عالی اور شوکت صدیقی جیسی ادبی شخصیات کی شمولیت نے PTV ڈرامے کو نہ صرف نئے آہنگ سے متعارف کروایا بلکہ مستحکم روایت کی بنیاد رکھی۔ اردو ناول اور ٹی وی کے درمیان فاصلے سمٹنے لگے۔ DAWN کے ایک تجزیے کے مطابق:

This is one of the oldest and greatest drama in the history of Pakistani television. Khuda ki Basti had
an unconventional storyline focusing on the prevalent social issues of society and was telecasted twice. Top
to that, Khuda ki Basti was also introduced on the syllabi of drama academies in Pune India and around
Europe. (۸)

شوکت صدیقی کے ناول "خدا کی بستی" کی پہلی ڈرامائی تشکیل ۱۹۶۹ میں پیش کی گئی۔ ٹیکنالوجی، وسائل کی کمی اور ریکارڈنگ سے متعلقہ غیر معیاری آلات ہونے کی وجہ سے اس ڈرامہ سیریل کی ریکارڈنگ محفوظ نہ کی جا سکی۔ ۱۹۷۴ میں اس دور کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس ڈرامے میں دلچسپی کا اظہار کیا اور اس کی دوبارہ پیش کش کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس وقت یہ ڈرامہ سیریل محفوظ نہیں تھا۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ہدایت پر از سر نو اس ناول کی ڈرامائی تشکیل کو ممکن بنایا گیا لیکن اس ڈرماہ سیریل اور ۱۹۶۹ کے ڈرامہ سیریل میں سوائے دوبارہ تشکیل کے اور کوئی فرق نہیں رہا۔ قاضی واجد، سہیل اصغر، ساجدہ سید اور محمود علی جیسے فن کاروں نے اداکاری کے جوہر دکھائے ۔ٹی وی ڈائریکٹرز بختیار احمد اور قاسم جلالی کی ہدایت میں بننے والے اس ڈرامے کو ایک مرتبہ پھر ۱۹۹۰ میں PTV کی نشریات کا حصہ بنایا گیا۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی کے ناولٹ "شہزوری" کی ڈرامائی تشکیل ۱۹۷۰ میں PTV سے پیش کی گئی۔ اس ناولٹ کی ڈرامائی تشکیل حسینہ معین نے کی۔ یہ ٹی وی تحریر کے حوالے سے حسینہ معین کی پہلی کاوش تھی۔ حسینہ معین پی ٹی وی کی پہلی ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ ۱۹۷۰ میں نشر ہونے والا ڈرامہ سیریل "کرن کہانی" ان ہی کی کاوش ہے وگرنہ اس سے قبل افسانوی ادب کے متن کو ہی ڈراما یا جاتا تھا۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی مزاح لکھتے تھے جس کا رنگ ان کے ناولوں میں بھی نظر آتا ہے لیکن ناول کی کہانی کے معیار پر کوئی سمجھوتا نہیں۔ عظیم بیگ کا تعلق ناول نگاری کے اس دور سے جب ناول کی اہمیت اور افادیت کو قبول کر لیا گیا تھا۔ ان کی ناول نگاری کے متعلق حنا آفریں یوں رقمطراز ہیں۔

> "عظیم بیگ چغتائی نے اردو ناول کی تاریخ میں ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی اور ان فرسودہ روایات سے نجات دلائی جو داستانی ادب کے سایے میں پروان چڑھ رہی تھی۔ عظیم بیگ کا شمار ایسے منتخب لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اردو ناول کے لیے ایک نئی سمت دریافت کی اور اپنے مخصوص اسلوب اور منفرد رویے سے اس سمت کے امکانات روشن کیے۔ (۹)

ناول "شہزوری" ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو زندگیوں کی تلخیوں اور پریشانیوں کا بھی اپنے لطیف اور چلبلے مزاج سے سامنا کرتی ہے۔ ۱۶ اقساط پر مشتمل یہ ڈرامہ "تارا" کی کہانی ہے جو اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کر لیتی ہے۔

اس کے والدین اس شادی کے خلاف ہیں اور اسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ تارا کو اپنے سسرال میں اس سے بھی زیادہ نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے سسر جھگڑالو طبیعت کے مالک ہیں جو کسی صورت تارا کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس صورت حال میں سنگینی اور بھی زیادہ بڑھنے لگتی ہے جب کہ تارا کا شوہر ایک ایسا کمزور شخص ہے جو کسی بھی موقع پر اپنی بیوی کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ تارا بہادر اور خوش مزاج لڑکی ہے جو زندگی کی ساری تلخیوں کو ہنستے کھیلتے برداشت کرتی چلی جاتی ہے اور بالآخر سب کے دل جیتنے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور وہی سسر جو اس کی موجودگی کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے اسے نہ صرف قبول کر لیتے ہیں بلکہ اسے گھر کی عزت بھی تصور کرنے لگ جاتے ہیں اس ڈرامے کا مرکزی کردار "تارا" ہے جسے معروف اداکارہ نیلوفر عباسی نے نبھایا جب کہ تارا کے خاوند کا کردار شکیل اور سسر کا کردار محمود علی نے نبھایا۔ ناولٹ ''شہزوری'' سے چند سطریں ملاحظہ کیجئے جس میں تارا اپنے سسر راجہ صاحب کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

''اندر سے بیگم صاحبہ بدحواس اور دیوانی ہو کر چیخ پڑیں معاف کر دیجئے راجہ صاحب آپ کو خون حسینؑ کا واسطہ معاف کر دیجئے بدحواس ہو کر راجہ صاحب نے کہا میں نے معاف کیا اور میرے خدا نے معاف کیا خود راجہ صاحب کی آنکھیں نم ہو گئیں اور بولے:

> ''بٹی تو جیتی اور میں ہارا! تو حق پر اور میں خطا وار میں نے جو ظلم کئے تو بھی معاف کر دے میں نے روتے ہوئے اپنے عالی مقام سسر کے پیر چوم لئے اور ان کے پیروں پر آنکھیں مل دیں اور انہوں نے مجھے اٹھا کر گلے لگا لیا'' (۱۰)

مرزا عظیم بیگ چغتائی کے ناولٹ ''شہزاوری'' سے ماخوذ ڈرامہ ''جگنو'' ۲۰۱۵ میں Hum TV سے پیش کیا گیا جسے آمنہ مفتی نے تحریر کیا جب کہ فاروق رند نے ہدایات دیں۔ اس ڈرامے کا مرکزی کردار ایک خوش مزاج اور بہادر لڑکی جگنو ہے۔ جگنو کا یہ کردار ۱۹۷۰ میں PTV سے نشر ہونے والے ڈرامے ''شہزوری'' کے مرکزی کردار تارا سے مماثلت رکھتا ہے۔ بچپن میں ہی باپ کے سائے سے محروم ہو جانے والی لڑکی جگنو زندگی کی تلخیوں کو نہ صرف کھلے دل سے قبول کرتی ہے بلکہ ان کا ڈٹ کر سامنا بھی کرتی ہے۔ زلفی کی محبت میں گرفتار ہو جانے کے بعد بھی اپنے جذبات پر دوسروں کو نہ صرف ترجیح دیتی ہے بلکہ ان کی عزت اور رضامندی کے لئے اپنے جذبات کا گلہ گھونٹنے کے لئے تیار ہے۔ ۱۸ اقساط پر مشتمل اس ڈرامہ سیریل میں جگنو کا کردار یمنی زیدی جب کہ زلفی کا کردار زاہد احمد نے نبھایا ان کے علاوہ عصمت زیدی، لیلیٰ زبیری، ریحان شیخ، ثمن انصاری اور مہرین راحیل بھی اس ڈرامے کی کاسٹ کا حصہ ہیں۔ یہ ڈرامہ جدید دور کی تہذیب اور رسم ورواج کے عین مطابق ہے لیکن اس کا مرکزی خیال مرزا عظیم بیگ چغتائی کا ناولٹ "شہزوری" ہی ہے۔ ناظرین نے اس ڈرامے کو منفرد اور ایک بہادر لڑکی کی کہانی ہونے کی وجہ سے بہت سراہا۔

شوکت صدیقی کے ناول "جانگلوس" کی ڈرامائی تشکیل ۱۹۸۹ میں "جانگلوس" کے نام سے PTV سے پیش کی گئی۔ یہ ناول اردو کے ضخیم ناولوں میں سے ہے۔ آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ناول تین جلدوں میں موجود ہے جب کہ اس ناول سے ماخوذ ڈرامہ "جانگلوس" صرف اس ناول کی پہلی جلد کی کہانی پر مشتمل ہے۔ جب کہ باقی دو جلدوں میں موجود ناول کے باقی حصے کی ڈرامائی تشکیل نہ ہو سکی۔ یہ ناول بنیادی طور پر وسطی پنجاب کے جاگیر دارانہ نظام اور اس سے جنم لینے والے جرائم پیشہ افراد کی کہانی ہے۔ اس کے دو مرکزی کردار لال دین عرف للی اور رحیم داد جیل سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں۔ شوکت صدیقی کے ناول جانگلوس سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے جو دونوں قیدیوں کے جیل سے بھاگ جانے کے بعد کی صورت حال بیان کرتا ہے۔

"رحیم دار نے مزید بات چیت نہیں کی۔ وہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ لٹکائے جنگل کی طرف چل دیا لالی خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو لالی نہر کے کنارے کنارے چلتا ہوا پل پر پہنچا اور اسے عبور کیا۔ لالی سڑک سے گزر کر ریل کی پٹڑی کی جانب بڑھا۔ ریل کی پٹڑی کے آس پاس سناٹا اور زیادہ گہرا تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ وہ ریل کی پٹڑی کے کنارے کنارے کچھ دور چلتا رہا پھر نشیب میں اتر کر جنگل جھاڑیوں کے درمیان سے راستہ بنایا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔" (۱۱)

قیدی نمبر ۴۲ للی جو باقاعدہ جرائم پیشہ سرگرمیوں میں ملوث ہے جب کہ قیدی نمبر ۳۶ رحیم داد معمولی نوعیت کے جرموں کی سزا کاٹ رہا تھا۔ ۵۶ اقساط پر مشتمل اس ڈرامہ سیریل کے ہدایت کار کاظم پاشاہیں۔ یہ ڈرامہ جانگلوس کی پہلی جلد کی ڈرامائی تشکیل ہے۔ جس کا اختتام رحیم دار کی اس دوڑ پر ہوتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ للی کا کردار محمد وارثی جب کہ رحم داد کا کردار شبیر جان نے نبھایا۔ دوسرے اداکاروں میں فرید بلوچ، ظہور احمد، شگفتہ اعجاز اور سلیم ناصر شامل ہیں۔ دلچسپ سماجی موضوع سے متعلقہ اس ڈرامے کو خاصی پذیرائی ملی۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "مراۃ العروس" سے ماخوذ ڈرامہ ۱۹۸۸ میں پاکستانی ٹیلی ویژن پر پیش کیا گیا۔ ڈپٹی نذیر احمد کا شمار اردو ادب کے اولین ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے تہذیبی اقدار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایسے ادب کو تخلیق کیا جو مستحکم مسلم معاشرے کی تشکیل کے لیے کارگر ثابت ہوا۔ ان کی تخلیق کا بنیادی تصور خواتین کی تعلیم اور تربیت ہے۔ ان کا پہلا ناول "مراۃ العروس" اور دوسرا ناول "بنات النعش" خواتین کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے نزدیک:

> ”ڈپٹی نذیر احمد کو بالعموم اردو ناول کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال بہت زیادہ غلط بھی نہیں۔ اردو ادب کے مورخین ڈپٹی صاحب کے ناول ”مراۃ العروس“ مطبوعہ (۱۸۶۹) کو اردو کا پہلا ناول قرار دینے پر متفق نظر آتے ہیں۔ ”بنات النعش“ اسی ناول کا دوسرا حصہ ہے اور اسی وجہ سے اردو ناول کی تاریخ میں دوسرا نام بھی قرار پاتا ہے۔“ (۱۲)

۱۸۶۹ء میں شائع ہونے والا یہ ناول اس دور کی تخلیق ہے جب برصغیر میں انگریز حکومت کا باقاعدہ آغاز تھا۔ اس صورت حال میں مسلم معاشرہ نہ صرف اپنی اخلاقی اقدار کھو رہا تھا بلکہ اس کی بنیادی ساخت کو بھی خطرات لاحق ہونے لگے۔ معاشرے کی تشکیل میں عورت کے کردار کو ہر دور میں مانا گیا، اسی کردار کی تعلیم و تربیت کے لیے ”مراۃ العروس“ جیسی تخلیق منظر عام پر آئی۔ تلوار یا بندوق کی بجائے ڈپٹی نذیر احمد نے قلم کی طاقت کو استعمال کیا اور اس کے مثبت اثرات آج بھی قائم ہیں۔ اکبری اور اصغری کے کردار آفاقی ہو گئے ہیں۔ یہ کردار اب نظریے کا روپ دھار چکے ہیں۔ جب ایک لڑکی شادی کے بعد اپنے سسرال جاتی ہے تو اسے، ایسے ماحول اور صورت حال کا سامنا ہوتا ہے جو ماحول اس کی زندگی کے گزشتہ سالوں سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ مختلف ترین ماحول میں اس لڑکی سے اس قدر توقعات وابستہ کرلی جاتی ہیں جن پر پورا اترنے کے لیے اس کی گذشتہ ماحول میں ہوئی تعلیم و تربیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی صورت حال ڈپٹی نذیر کے ناول ”مراۃ العروس“ کے مرکزی کرداروں ”اکبری اور اصغری" کو در پیش ہے اکبری اپنی نالائقی اور سست طبیعت کی وجہ سے شادی کے بعد پیش آنے والے مسائل کا سامنا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ جب کہ اصغری سلیقہ شعار ہونے کی وجہ ایسے مسائل کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے بلکہ نبرد آزما بھی ہوتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول" مراۃ العروس" سے چند سطریں ملاحظہ کیجئے جن میں اصغری کی عقلمندی اور معاملہ فہمی کا بخوبی اظہار ہے

> ”تماشا خانم نے سن کر کہا”تم بھی بوا کوئی تماشے کی عورت ہو وہی کہاوت ہے کہ گدھے کو لون دیا اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں خدا دلواتا ہے تم کیوں انکار کرو؟ اصغری نے کہا تم دیوانی ہوئی۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں آپا کے مزاج سے تم واقف ہو ان ضرور رنج ہو گا ناحق اماں سے بدمزگی ہو گی۔ مجھ سے بھی ان کو بدگمانی پیدا ہو گئی۔“(۱۳)

ڈپٹی نذیر احمد کے اس ناول کی شہرت نہ صرف اس دور میں رہی بلکہ آج بھی اس کی اشاعت جاری ہے۔ اس ناول کے کردار آج بھی مستحکم معاشرے کی تشکیل کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس ناول کی ڈرامائی تشکیل اور اس سے ماخوذ ڈراموں کی پیش کش سے اس ناول کو مزید شہرت ملی اور اس کے مرکزی خیال تک عوام الناس کی رسائی ممکن ہوئی ہے۔ ۱۹۸۸ میں پہلی مرتبہ پاکستان ٹیلی ویژن نے ۱۰ اقساط پر مشتمل ڈرامہ ”مراۃ العروس“ پیش کیا جو ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ”مراۃ العروس“ کی ڈرامائی تشکیل ہے۔ اس ناول کی ڈرامائی تشکیل پروفیسر حق نواز نے کی۔ جب کہ PTV کے سینئر پروڈیوسر شوکت زین العابدین اس ڈرامے کے ہدایت کار ہیں۔ "اکبری "کا کردار ار ساغزل جب کہ "اصغری "کا کردار عارفہ صدیقہ نے ادا کیا۔

دیگر فن کاروں میں عطیہ شرف، پرویز رضا، تمنا بیگم اور تانی بیگم شامل ہیں۔ اس ڈرامے کے سیٹ کے عناصر میں " مراۃ العروس" کی تخلیق کے عہد کی تہذیب اور سماجی جہتوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اپنی نانی اماں کے پیار اور لاڈ کے زیر اثر لاپرواہ اور بد مزاج طبیعت پانے والی اکبری اپنے سسرال میں زیادہ وقت نہیں گزار پاتی۔ جب کہ اسی کی چھوٹی بہن اصغری تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہونے کے باعث نہ صرف سب کی محبتوں کے لیے مرکز نگاہ رہتی ہے بلکہ سسرال جانے کے بعد درپیش مسائل کو بھی جلد ہی حل کر لیتی ہے۔ ۱۹۸۸ میں PTV پر نشر ہونے والا یہ ڈرامہ "مراۃ العروس" مضبوط کہانی، دلچسپ مقالموں، جاندار اداکاری اور کلاسیکل پس منظر کے باعث آج بھی ناظرین کی توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اکبری اور اصغری کے کردار ہر دور کے کردار بن چکے ہیں جن کے رویوں میں تضاد کا مشاہدہ ہر دور میں کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان ٹائمز کے ایک تبصرے کے مطابق:

> "Mirat-tul-Uroos" telecast once a week in the morning transmission is slowly matching up the popularity chart, based on novel by deputy Nazeer Ahmad (1869), the several contrasts in the lives of two sisters Akbari and Asghari."(۱۳)

۲۰۱۱ء میں ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل Hum TV پر ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "مراۃ العروس" کے مرکزی کرداروں اکبری اور اصغری کے ناموں پر مشتمل ڈرامہ "اکبری اصغری" پیش کیا گیا۔ ڈرامہ بنیادی طور پر اسی ناول کے مرکزی خیال سے ماخوذ ہے لیکن جدید دور کی دو بہنوں کے کرداروں سے متعلقہ ہے۔ جو اپنی پوری زندگی بیرون ملک گزارنے کے بعد واپس آ جاتی ہیں۔ ان کے والد کی طرف سے ان کی پسند کے خلاف شادی کرنے کا کہا جاتا ہے۔ اکبری اور اصغری کے والد اپنے بھتیجوں اکبر اور اصغر سے ان کی شادی کروانا چاہتے ہیں۔ اکبری اپنے منافق رویے اور چالاک طبیعت کے باعث اپنے والد کو تو خوش رکھنا چاہتی ہے مگر شادی اپنی مرضی سے ہی کرنے کی خواہشمند ہے۔ جبکہ اصغری کے رویے میں منافقت نہیں ہے۔ اپنی محبت میں دھوکہ کھانے کے بعد اکبری اپنے والد کی مرضی کی شادی کے لیے رضامند ہو جاتی ہے۔ لیکن اکبر اس رشتے کی بجائے ایک مذہبی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جب کہ اس کے نزدیک اس کے ماموں کی بیٹیاں اصغری اکبری زیادہ جدت پسند ہیں۔ "مراۃ العروس" کے کرداروں کی طرح اکبری اور اصغری کے رویے ڈرامہ "اکبری اصغری" میں بہت واضح نظر آتے ہیں اس ڈرامے کی مصنفہ فائزہ افتخار ہیں جبکہ ہدایت کار حسام حسین ہیں ۱۲۵ اقساط پر مشتمل اس ڈرامے میں اکبری کا کردار صنم بلوچ جب کی اصغری کا کردار ہمائمہ ملک نے ادا کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے اس ناول "مراۃ العروس" سے ماخوذ ڈرامہ "مراۃ العروس" دسمبر ۲۰۱۲ میں جیو ٹی وی پر نشر کیا گیا۔ لیکن اس ڈرامے کی کہانی اصغری اور اکبری کی اولادوں کے کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔ اکبری کی پوتیوں کا کردار آمنہ شیخ اور مہوش حیات نے نبھایا۔ ڈرامے کے ہدایت کار انجم شہزاد ہیں جب کہانی کار عمیرہ احمد ہیں۔ ڈرامے کی کہانی اکبری

اور اصغری کے پوتوں پوتیوں کے کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔ اکبری کی ایک پوتی آئزہ کا کردار ایک ایسی لڑکی سے متعلقہ ہے جس کی پرورش بہت محبت اور لاڈ پیار میں ہوئی ہے اور یہ لاڈ پیار اس کی بد مزاجی کی وجہ بنتا ہے۔ دوسری پوتی آئمہ نفیس اخلاق کی مالک ہے۔ جب کہ دوسری طرف اصغری کے پوتے حماد اور ہاشم بالترتیب آئزہ اور آئمہ کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد ان سے شادی کر لیتے ہیں لیکن آئزہ کا رویہ اپنے سسرال میں ایسا ہی ہے جیسا رویہ ''مراۃ العروس'' میں اکبری کا ہے۔

عبداللہ حسین کے ناول ''نشیب'' کی ڈرامائی تشکیل ۱۹۸۵ میں پی ٹی وی سے پیش کی گئی۔ یہ ڈرامہ پی ٹی وی کے سنہری دور کی نشریات کا حصہ ہے۔ عبداللہ حسین کا ناولٹ "نشیب" ۱۹۸۱ میں منظر عام پر آیا۔ جس میں عبداللہ حسین کا اسلوب اور قوت مشاہدہ بخوبی نظر آتا ہے۔ "نشیب" سنجیدہ اور حساس موضوع پر لکھا گیا ناولٹ ہے۔ عبداللہ حسین کی تحریروں میں ان کے مشاہدات اور تجربات کا رنگ غالب نظر آتا ہے اسی حوالے سے محمد عاصم بٹ یوں رقمطراز ہیں:

> ''عبداللہ نے براہ راست اپنے تجربات سے اپنی تخلیق کا مواد حاصل کیا۔ وہ خود کو ان فکشن نگاروں میں شمار کرتے ہیں جو محض تخیل کی بنا پر فکشن تخلیق نہیں کرتے بلکہ حقیقت کے مشاہدے سے اپنے لیے مواد حاصل کرتے ہیں۔''(۱۵)

''نشیب عبداللہ حسین کا ایک ناولٹ ہے جو تین مربوط کہانیوں اور متعدد کرداروں سے متعلقہ ہے۔ ایک کردار ایک ادیب حیدر علی جو دوسری دو کہانیاں بیان کر رہا ہے۔ اصل کہانی اس کے بچپن کے دوست ایاز کی ہے جو وکیل بن کر نسیم نامی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے اور دوسری کہانی ایاز کے بطور وکیل قتل کے ایک کیس کے مرکزی ملزم ظفر کی ہے جس نے اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ ناجائز تعلقات کی بنیاد پر قتل کر دیا ہے۔ حیدر علی (ادیب) اپنے دوست ایاز (وکیل) کے اس پیچیدہ کیس کی تفتیش میں اس کی مدد کرتا ہے جب کہ ظفر اپنی بیوی کے قتل کا اعتراف کر چکا ہوتا ہے۔ ناول کے تجزیاتی تبصرے میں محمد عاصم بٹ یوں رقمطراز ہیں۔

> ''کہانی میں قتل کے واقعہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس واقعہ کے خود ایاز کی کہانی سے ڈانڈے ملتے ہیں۔ ایک طرف ظفر اور اس کی مقتول بیوی کوثر کی کہانی ہے اور دوسری طرف خود ایاز اور اس کی بیوی نسیم کی کہانی ہے۔ جس پر سے پردہ کہانی کے آخری حصے میں ہی کہیں جا کر اٹھتا ہے۔''(۱۶)

حیدر علی اپنے دوست ایاز کی اس کیس میں بھرپور مدد کرنے کے لیے پرعزم ہے جو ظفر کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے دلائل اکٹھے کر رہا ہے۔ ظفر جو پیشے کے لحاظ سے فوڈ انسپکٹر ہے اور شادی کے بعد اپنی بے قصور بیوی کے کردار پر شک کرتے ہوئے اسے مار دیتا ہے۔ جو محض اس کی توجہ کی طالب ہوتی ہے۔ ایاز اپنے دوست حیدر علی کی مدد سے ظفر کو

پھانسی سے تو بچا لیتا ہے۔ البتہ خود کسی بد عنوانی کے کیس میں ایاز کو جیل جانا پڑتا ہے۔ جب کہ اس کی اپنی بیوی اس کی توجہ سے محروم رہنے کے باوجود نہ صرف اس کی موجودگی میں بلکہ جیل جانے کے بعد بھی اس سے وفا بر قرار رکھتی ہے۔ ۱۸ اقساط پر مشتمل اس ڈرامہ سیریل کی ڈرامائی تشکیل مرزا اطہر بیگ نے کی ہے۔ جب کہ ہدایت کار ایوب خاور ہیں جو پی ٹی وی کے سینئر پروڈیوسر ہونے کے ساتھ شاعر بھی ہیں۔ پر کشش کہانی اور اداکاری کے باعث "نشیب" کے ناظرین کی دلچسپی آخری قسط تک قائم رہی۔

شوکت تھانوی کے ناول ''پگلی'' سے ماخوذ ڈرامہ سیریل ''پگلی'' ۲۰۱۷ میں Hum TV سے نشر کیا گیا۔ شوکت تھانوی کا شمار ان ادبی شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنی ادبی زندگی کے اوائل دنوں سے اخبار اور ریڈیو سے منسلک رہی ہیں۔ لاہور میں قیام کے دوران معروف ڈرامہ نگار امتیاز علی تاج کے مشورے پر پنچولی آرٹ پکچرز لاہور سے بطور کہانی اور گیت نگار منسلک ہو گئے۔ پھر ریڈیو پاکستان کے علاوہ روزنامہ جنگ سے بھی وابستہ رہے۔ شوکت تھانوی شاعر، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ وجاہت علی سندیلوی شوکت تھانوی کے ادبی مقام کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

> ''زبان اور بیان پر غیر معمولی قدرت رکھنے اور اپنی زندہ دلی اور جدت طرازی کے باعث شوکت تھانوی نے مزاحیہ اور طنزیہ ادب کے قریب قریب ہر صنف، انشائیہ، ناول، ڈرامہ، پیروڈی، خاکہ نگاری، کردار تراشی شاعری وغیرہ وغیرہ میں دل کھول کر طبع آزمائی کی ہے وہ قریب قریب بچھتر اسی کتابوں کے مصنف تھے۔''(۱۷)

پگلی بھی شوکت تھانوی کا ایک ایسا ناول ہے جس میں ایک نفسیاتی مسائل کا شکار لڑکی بیرون ملک سے آئے ماہر نفسیات ڈاکٹر سے ٹرین میں حادثاتی ملاقات کے بعد اس کی زندگی کا مستقل حصہ بننے کی خواہش رکھتی ہے۔ ناول کا آغاز ٹرین کے اندر ایک منظر سے ہوتا ہے جس میں بیرون ملک سے ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان آنے کے بعد اپنا ملک دیکھنے کی غرض سے ٹرین کے سفر کا انتخاب کرنے والے ماہر نفسیات، ڈاکٹر خالد بیٹھے ہیں۔ اسی سفر کے دوران ان کی ملاقات ایک شرارتی، شوخ لڑکی گل رخ سے ہو جاتی ہے۔ جو اسے پاکستان میں نفسیاتی مریضوں اور امراض کے علاوہ بطور ماہر نفسیات پاکستان میں پیسے کمانے سے جڑے مسائل کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر خالد اس کی ایسی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور اپنے حصے کی گفتگو میں اسے اپنی منگیتر زوبیہ (زبیدہ) کے بارے میں بتاتا ہے۔ جس کے متعلق گل رخ کچھ اندازے لگاتی ہے جو درست ثابت ہوتے ہیں۔ مگر گل رخ ڈاکٹر خالد کو یہ بات باور کروانے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ اسے گل رخ جیسی لڑکی سے ہی شادی کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر خالد آغاز میں گل رخ کی ہر بات کو غیر سنجیدہ لیتا لیکن ایک خاص سطح کے بعد وہ بھی سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ گل رخ کے اصرار پر اسے اپنے گھر لے جاتا ہے جہاں طویل اتار چڑھاؤ کے بعد ان دونوں میں قربتیں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

شوکت تھانوی کے ناول "پگلی" سے چند سطریں ملاحظہ کیجئے جو اس ناول کے مرکزی نسوانی کردار ''گل رخ'' سے جڑے نفسیاتی مسائل اور اس کے عجیب رویے کا اظہار کر رہی ہیں۔

> ''ڈاکٹر خالد نے غور سے گل رخ کا چہرہ دیکھا تو وہ بے حد سنجیدہ تھی اور اس پر اس نرس کی موت کا شدید اثر معلوم ہوتا تھا۔ جو اب تک زندہ تھی۔ ڈاکٹر خالد کو اپنی طرف غور سے دیکھتا ہوا دیکھ کر گل رخ نے کہا۔
>
> آپ کو یقین نہیں آرہا کہ وہ مر چکی ہے اور اس میں شیطان سمایا ہوا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ واقعہ ہے میں پامسٹری میں غلطی نہیں کر سکتی۔
>
> خالد نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ذرا مجھے بھی دیکھ کر بتا دیجئے مجھے مرے ہوئے کتنے دن ہو چکے گل رخ نے کہا'' جناب میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ بہتر ہے کر لیجئے مذاق مگر میں شرط لگا سکتی ہوں کہ چھ سال کی یہ مری ہوئی نرس اب اپنی زندگی نہیں جی رہی ہے۔ وہ دیکھئے ذرا، وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔''(۱۸)

شوکت تھانوی کے ناول ''پگلی'' سے ماخوذ ڈرامہ ۲۰۱۷ میں Hum TV سے نشر کیا گیا جسے خرم عباس نے تحریر کیا جب کہ اس کے ہدایت کار علی مسعود سعید ہیں۔ اس ڈرامے میں ڈاکٹر خالد کا کردار نور حسن جب کہ گل رخ کا کردار حرا سلمان نے نبھایا۔ ایک ٹرین کے سفر کے دوران گل رخ کی ملاقات ڈاکٹر خالد سے ہوتی ہے جو ماہر نفسیات ہیں اور بیرون ملک سے پاکستان آئے ہیں۔ گل رخ عمومی گفتگو کے بعد ڈاکٹر خالد کی نجی زندگی میں دلچسپی لینا شروع کر دیتی ہے اور انہیں یقین دلاتی ہے کہ اس کی زندگی میں گل رخ جیسی ہی لڑکی ہونی چاہیے نہ کہ ڈاکٹر خالد کی منگیتر زبیدہ جیسی سادہ اور کم پڑھی۔ وہ ڈاکٹر خالد کے ہمراہ ان کے گھر جانے کی ضد کرتی ہے جسے ڈاکٹر خالد کچھ دیر مزاحمت کے بعد مان لیتا ہے۔ گل رخ ڈاکٹر خالد کے ساتھ جب ان کے گھر آتی ہے تو اس کے آنے سے کسی کو خوشی نہیں ہوتی بلکہ ڈاکٹر خالد کی منگیتر زبیدہ کسی صورت بھی گل رخ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ گل رخ کچھ نفسیاتی مسائل کا شکار ہے جسے مکمل طور پر کسی ماہر نفسیات کی نگرانی کی اشد ضرورت ہے۔ ایک خاص دورانیے کے بعد گل رخ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے ڈاکٹر خالد اور اس کی منگیتر زبیدہ کے درمیان آکر اچھا نہیں کیا۔ جب کہ ڈاکٹر خالد کی منگیتر زبیدہ ڈامے کے آخر پر اس بات کا اقرار کر لیتی ہے کہ گل رخ کو یقیناً ڈاکٹر خالد جیسے ماہر نفسیات کی توجہ کی ضرورت ہے۔

ادب اور ادبی فن پاروں کی عمل انگیزی براہ راست معاشرتی رویوں اور رجحانات سے جڑی ہے۔ ناول میں وہی کہانی بتائی جائے گی جو معاشرے میں موجود ہے یا موجود ہو سکتی ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ایسی کہانیاں ضرور جنم لیتی ہیں جو ان ناولوں یا افسانوں میں موجود ہوں۔ گویا ادب اور معاشرہ کسی صورت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح

معاشرے کے جدید رجحانات سے ادب کی وابستگی بھی اتنی ہی ناگزیر ہے۔ ان جدید رجحانات میں ٹیلی ویژن اور اس پر نشر کیے جانے والے پروگرامز بھی شامل ہیں۔ اردو ناول کی ڈرامائی تشکیل اور اس کی پیش کش نے ڈرامہ ناظرین کی نہ صرف تعداد میں اضافہ کیا بلکہ ڈرامے کے معیار میں بھی اضافہ کیا ہے۔ ناول کی مضبوط کہانی کی بدولت نئے ڈرامہ نگاروں کو کہانی کی درست سمت متعین کرنے کا لائحہ عمل دستیاب ہوا۔ الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں اردو ادب اور جدید ٹیکنالوجی کو قریب لانے کی ضرورت ہے اردو ناولوں کی ڈرامائی تشکیل کی روایت اور تسلسل اسی کاروں کا نمایاں اور معتبر حصہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ میلان کنڈیرا، ناول کا فن، مترجم محمد عمر میمن، کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۳، ص ۴۰

۲۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ناول کا فن اور نظریہ، لاہور: دارالنوادر، ۲۰۱۳، ص ۳۰

۳۔ محمد شاہد حسین، ڈاکٹر، ابلاغیات، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۴، ص ۱

۴۔ شعیب خالق، ٹی وی ڈرامہ کیسے لکھا جاتا ہے، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۶، ص ۶۴

۵۔ حسام الدین فاروقی، ڈاکٹر، اردو زبان کے فروغ میں ریڈیو، ٹیلی ویژن کا حصہ بھوپال: دبستان، ۲۰۰۹، ص ۱۴۸

۶۔ احمد سہیل، ٹی وی ڈرامہ، مشمولہ ’ ’جریدہ‘‘ ٹیلی ویژن ڈرامہ نمبر ’’مرتبین؛ زیتون بانو، تاج سعید"، پشاور: مکتبہ ارژنگ، ۱۹۹۶، ص ۶۴

۷۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۲، ص ۱۷۷

۸.Old but not forgotten"DAWN"15th March 2015

۹۔ حنا آفریں، مرزا عظیم بیگ چغتائی کی ادبی خدمات، علی گڑھ: ایجوکیشنل پریس، ۲۰۰۹، ص ۵۲۸

۱۰۔ عظیم بیگ چغتائی، مرزا، شہزوری، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۳۵، ص ۸۰

۱۱۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۱۹۸۹، ص ۷۳

۱۲۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، اردو کا پہلا ناول، مشمولہ اردو ناول، تفہیم و تنقید، مرتبین؛ ڈاکٹر، نعیم مظہر، ڈاکٹر فوزیہ اسلم، اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ ص ۱

۱۳۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مراۃ العروس، دہلی: کتب خانہ علم و ادب، ۱۹۴۴، ص ۸۱

۱۴.Review by: Televiewers "Pakistan Times", 4th November.1988.

۱۵۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ حسین شخصیت اور فن (پاکستانی ادب کے معمار)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص۱۶

۱۶۔ محمد عاصم بٹ، ناولٹ، نشیب کا تجزیہ، محولہ بالا، ص۶۷

۱۷۔ وجاہت علی سندیلوی، مرتبہ انتخاب مضامین شوکت تھانوی، لکھنو: اتر پردیس اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء، ص۱۱

۱۸۔ شوکت تھانوی، پگلی، کراچی، پاکستان کنکشنز، س ن، ص۶۹